Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2023; Vol 02 (Issue 02)

PP. 23-34 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر فرزانہ کوکب،ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ اُردو
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
ڈاکٹر ارم سلیم،لیکچرار اردو
گورنمنٹ کالج سول لائنز، ملتان

Dr.Farzana koukab

Associate Professor, Department of Urdu

Baha ud din Zakariya University, Multan

Dr.Iram Saleem

Lecturer of Urdu

Government Civil Lines College, Multan

الطاف فاطمہ اور بچوں کا ادب

Altaf Fatima and children's literature

Abstract:

Children are the basic building block and integral part of the society. Like children, their literature is also important. Its impact on children in various contexts cannot be ignored. Altaf Fatima started writing stories with "Afsana" but she was also concerned about the young builders of the nation which drew her attention to writing children's stories. She kept two main principles in mind while writing children's literature. One is a deep look at the psychology of children and the other is the simplest language-

Key Words: Children’s Literature, Child Fiction, Urdu Child Fiction, Altaf Fatima, Zia ul Din Khusro, M.Ismail Meerthi, Alama Iqbal

معاشرے سے مراد افراد کا وہ مجموعہ ہے جو باہم مل جل کر رہے۔ معاشرہ مختلف بنیا دوں پر قائم ہو تاہے، مثلا برادری،قوم، مذہب،جغرافیائی حدود،فنون لطیفہ وغیرہ۔ علمائے معاشرت نے لکھا ہے کہ انسانی زندگی کی اجتماعی ترقی ،بقائے نسل اور تحفظ ثقافت کے لئے''زبان وادب''کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ ادب سماج کو متاثر کر تاہے۔ سماج کو بناتا ہے، مذہب، حکومت، سیاست کو متاثر کرتا ہے۔ یہ انسانوں میں قوت او ر حرکت پیدا کر تا ہے۔

اطہر پرویز نے ادب کی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "ادب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بہترین خیالات کو بہترین لفظوں میں، بہترین ترتیب کے ساتھ محفوظ کرلیتا ہے۔ اس میں سچ پوچھیے تو اپنے زمانے کے نہ صرف بہترین خیالات،الفاظ اور ترتیب ہے بلکہ اس میں اپنے زمانے کی سچی روح ہوتی ہے۔"(۱)

بچے جوکہ معاشرے کی ابتدائی اینٹ اور لازمی جزو ہیں، ان پر ادب کس طرح اثر انداز ہوتا ہے، قابل توجہ ہے۔بچوں کی طرح ان کا ادب بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی کا کہنا ہے :

> "بچوں کے ادب میں اخلاقی مضامین کی شمولیت خصوصاً عصر حاضر میں ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس کے بغیر بچوں کا ادب بے روح اور بے کیف نظر آتا ہے---- ضرورت ہے کہ بچوں کے نصابی و غیر نصابی کتابوں میں اخلاقی و روحانی مضامین کثرت سے شامل کیے جائیں تاکہ بچوں کی فطرت مسخ نہ ہو اور وہ خاندان ،قوم اور ملک کے لیے مضر ہونے کے بجائے مفید ثابت ہوں۔"(۲)

اگر ہم بچوں کے ادب کی ابتدا کی طرف نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ''بچو ں کے ادب''کا آغاز دراصل اُن عوامی کہانیوں کے پس منظر سے ہوتا ہے جو یونان، مصر،چین اور ہندوستان کے دیو مالائی ادب میں تحریر کی گئیں۔

عام طور پر اُردو میں بچوں کے ادب کی ابتدا ضیا الدین خسرو سے مانی جاتی ہے۔میرتقی میر کانام بھی بچوں کے شاعر کی حیثیت سے لیاجاتاہے۔ ان کی مثنوی ''موہنی بلی''،''گھر کا حال'' اور ''بکری اور کتے '' اسی قبیل کی مثنویاں ہیں۔ بچوں کے شاعر کی حیثیت سے نظیر اکبر آبادی کانام بھی بے حد اہم ہے۔ صحیح معنوں میں بچوں کے لیے باضابطہ طور پر انہوں نے ہی نظمیں لکھیں۔ وہ چونکہ معلم تھے اس لیے بچوں کی نفسیات اور ان کی ضروریات سے واقف تھے۔''تل کے لڈو''،'' ہرن کابچہ''،''آدمی نامہ '' وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو بے حد مقبول ہوئی۔دلی کالج ورنیکولر ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت بچوں کی کتابوں کی طباعت کاکام کیاگیا۔ یہ کتابیں ایسی تھیں جودنیاوی امور سے متعلق تھیں اور

اردگرد کے ماحول سے واقفیت بہم پہچانے والی تھیں۔ ان کتابوں میں اطفال کی نفسیات کا بھر پور لحاظ رکھا گیاتھا۔ مولوی محمد حسین آزاد کی ’’اُردو کی پہلی کتاب ‘‘، پیارے لال کی ’’اُردو کی تیسری کتاب ‘‘، مولوی ذکا اللہ کی’’ اُردو کی چوتھی کتاب‘‘،’’پانچویں کتاب‘‘ اور سید ولی حیدر کی’’ اُردو آموزجدید ‘‘وغیرہ بچوں میں بے حدمقبول ہوئیں۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کانام بھی ادب اطفال میں اہم ہے۔ "قادرنامہ " غالب نے اپنے بھتیجے زین العابدین عارف کے بیٹوں باقر علی اور حسین علی کے لیے لکھی تھی۔ محمد اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے ادب کو بلند ترین منزل تک پہنچایا ہے۔ وہ مدرس تھے اس لیے بچوں کی نفسیات وجذبات پر انہیں قدرت حاصل تھی۔ ’’باجے کا بھوت‘‘،’’ ایک شیر اور چیتا‘‘، ’’محمود غزنوی اور بڑھیا ‘‘،’’ محنت سونے سے بہتر ہے‘‘ جیسی کہانیاں بھی لکھیں اور معلومات سے بھر پور مضامین بھی لکھے۔ اکبر الہ آبادی نے سیاست ، اخلاق اور پندونصائح کو طنزوظرافت کی چاشنی میں لپیٹ کر پیش کیا ہے۔’’دریا کی روانی ‘‘،’’دلی دربار‘‘اور’’ہونہار بیٹا‘‘کو بچوں کی نظموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان نظموں میں روانی، سادگی اور جوش خروش ہے۔

علامہ محمد اقبال نے ادب اطفال کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔کچھ ترجمے کے ذریعے سے اور کچھ طبع زاد نظموں کے ذریعے سے اصلاحی ، اخلاقی اور وطنی نظموں میں ’’ایک مکڑا اور مکھی‘‘،’’ایک پہاڑاور گلہری‘‘،’’ہندوستانی بچوں کے گیت‘‘،’’ہمدردی‘‘،’’بچے کی دعا‘‘،’’ایک گائے اوربکری‘‘،’’ایک پرندہ اور جگنو‘‘،’’بچہ اور شاعر‘‘،’’ترانہ ہندی‘‘وغیرہ اہم ہیں۔ ان میں بچوں کی نفسیات ، ان کے مزاج اور ان کی پسند کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

حفیظ جالندھری، شفیع الدین نیر، امتیاز علی تاج، چراغ حسن حسرت، ذاکر حسین، محمد مجیب، غلام رسول، غلام مصطفیٰ تبسم، مرزا ادیب اور صالحہ عابد حسین کانام بھی ادب اطفال میں نمایاں ہے ۔

بچوں کے ادیبوں اور شاعروں میں کچھ نام ایسے بھی رہے جنھوں نے بچوں کے لیے لکھنا شروع تو کیا مگر زیادہ ادب تحریر نہ کر سکے ۔ ان میں ناصر زیدی، الطاف فاطمہ، شمیم حنفی، تسکین زیدی،عائشہ خانم کے نام شامل ہیں۔

الطاف فاطمہ کے بعد لکھنے والوں میں کشور ناہید، شبنم شکیل ، اسد اریب وغیرہ نے بھی بچوں کا ادب لکھا ہے۔ اردو میں بچوں کا ادب تحریر کرنے والوں میں ہمیں نامور ادیب بھی نظر آتے ہیں اور غیر معروف ادیب بھی۔ اردو میں بچوں کا ادب اس لحاظ سے کم نصیب رہا ہے کہ ناقدین اردو نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اگر ناقدین ادب اس طرف توجہ کرتے تو امید کی جا سکتی تھی کہ بچوں کے ادب میں مزید نکھار آجاتا۔

الطاف فاطمہ ایک علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس خاندان میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ آپ کی والدہ نے کم عمری میں بیوہ ہونے کے باوجود تن تنہا ساری ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا اور بچوں کی تعلیم و تربیت سے کسی طرح

کا سمجھوتہ نہ کیا۔ بچپن سے ہی انہوں نے اپنے بچوں میں مطالعہ کی عادت ڈال دی۔ اور اسی ضمن میں اوائل عمری میں ہی الطاف فاطمہ کے نام ''پھول'' لگوا دیاگیا۔ بچوں کی کہانیاں پڑھتے پڑھتے الطاف فاطمہ کو لکھنے کا بھی شوق ہوا۔ الطاف فاطمہ کی دستیاب شدہ بچوں کی کہانیوں میں ''ایک تھا لڑکا''(۱۹۵۵ء) ''مائی لارڈ حْقہ(س ن)'' اور ''ہائے میرا کن کٹّا(۲۰۱۴ء)'' شامل ہیں۔ دستیاب شدہ کہانیوں کا ذیل میں تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

''ایک تھا لڑکا'':

الطا ف فاطمہ کی طبع زاد کہانیوں میں سے ایک ہے ۔یہ سلیس اور عام فہم زبان میں پندرہ سال کی عمر کے نونہالوں کے لیے لکھا گیا ناول ہے جو پہلی بار ۱۹۵۵ء میں کتا ب منزل لاہور سے شائع ہوا ۔یہ ناول منزل کشمیری بازار لاہور کے بچوں کے ناول سلسلہ نمبر ۳ سے ہے ۔اس کے صفحا ت ۱۸۶ہیں اور قیمت ایک روپیہ بارہ آنے مقر ر کیے گئے ہیں ۔

اس ناول کو اکیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر با ب کا ایک نام رکھا گیا ہے ۔تاریخ اس ناول میں ہر با ب میں جگہ ایک کہانی کا درجہ رکھتا ہے ۔

یہ ایک تعلیم یافتہ ، سلیقہ مند، شریف خاندان کے ذہن نو نہالوں کی داستان ہے جو بچپن میں کھیل کود کی دلچسپیوں میں مصروف رہتے ہوئے بھی ہمیشہ مفید اور کار آمد باتیں سوچتے ہیں اور بڑے ہو کر خاندان کا نام روشن کرتے ہیں۔ ناول شروع ہونے سے پہلے ''تعار ف ''دیا گیا ہے۔ جس میں عشرت رحمانی اس کہانی کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتی ہیں کہ :

> "اس ناول میں آنسہ الطا ف فا طمہ نے عام فہم اور سلیس زبان میں اجتماعی زندگی کی تصویر کشی نہایت خوبی و خو ش اسلو بی سے کی ہے اور شروع سے آخر تک ننھے دماغوں کی دلچسپی کو بر قرا ر رکھتے ہوئے قصہ کی افادیت کو عمد گی سے قائم رکھنے میں کا میا ب ہوئی ہیں۔"(۳)

''مائی لارڈحقہ''

الطا ف فاطمہ کی طبع زا د تصویری کہانی ہے جسے شیخ غلام علی سنز (پرائیویٹ) لیمٹڈ پبلشر ز ، ادبی مارکیٹ چوک انار کلی لاہور کی طر ف سے شائع کیا گیا ۔ فرم کے۱۰۰سو سالہ جشن کے موقع پر نامور ادیبوں کی کہانیاں شائع کی گئیں ۔ یہ کہانی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہانی کے بیک فلیپ پر یہ عبارت درج ہے :

> ''نامور ادیبوں کی خوب صور ت کہانیاں ،جوہمارے لیے ایک ورثہ ہیں جسے ہم خوبصور ت رنگوں میں سجا کر آپ کو لوٹا رہے ہیں ایسی کہانیاں جو آج تک نہ پڑھی ہوں اور نہ ہی سنی ہوں!
>
> ہے نا_____خوشی کی با ت

اسی طرح کی بہت سی کہانیاں ہم نے شائع کی ہیں، جو خو بصورتی
میں اپنی مثال آپ ہیں اور کہانیاں بھی لاجواب !''(۴)

''ہائے میرا کن کٹا ''

الطا ف فاطمہ کی ایک اور طبع زا د کہانی ہے یہ بھی تصویر ی کہانی ہے اور۵سے۸سال کے کے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اسے پہلی مرتبہ آکسفورڈ پریس نے ۲۰۱۴میں اور دوسری بار آکسفورڈ پریس نے ہی۲۰۱۸میں شائع کیا ۔

کہانی ۱۴صفحا ت پر مشتمل ہے اور آخری صفحہ پر فرہنگ دی گئی ہے ۔اس کہانی کی قیمت ۱۹۵روپے مقر ر کی گئی ہے۔ اس کہانی کے بیک فلیپ پر درج ہے:

" کہانیوں سے بچوں کی دوستی بہت جلد ہوجاتی ہے اور مدت تک چلتی ہے ۔ مزے دار واقعا ت والی کہانیوں کے ذریعے کام کی باتیں اور عمد ہ زبان سیکھنے کا مو قع ملتا ہے اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے اس سلسلے کے تحت ایسی کتابیں تیا ر کی گئی ہے جن سے بچوں میں پڑھنے کا شو ق بڑھے اور جنہیں سکولوں میں بھی استعمال کیا جا سکے ۔نامور ادیبوں کی تحریروں اور ماہرین فن مصوروں کی تصویروں سے آراستہ یہ خوبصورت اور معیاری کتابیں بچوں کو دعو ت دیتی ہیں کہ کہانیوں کی دنیا میں داخل ہوجائیے۔ اور کتابوں کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھائیے۔الطا ف فاطمہ اردو کی نامور کہانی اور ناول نگا ر ہیں ۔ وہ تدریس کے شعبے سے وا بستہ رہی ہیں اور لاہور میں رہتی ہیں ۔ آپ کے لیے وہ بیتے زمانوں کی ایک کہانی لائی ہیں ۔ جو انہوں نے بھی اپنی نانی جان سے سنی تھی۔" (۵)

اگر ہم بچوں کے لیے لکھی جانے والی کہانیوں کا تجزیہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کی کہانیوں کا ''عنوان'' دلچسپ ہونا پہلی شرط ہے۔ مصنف کہانی کو عنوان اس لیے دیتا ہے کہ کہانی کا نام پڑھتے ہی بچہ اُسے پڑھنے کی طرف راغب ہو جائے۔ جب ایک سوچ بچار رکھنے والا ادیب جب بچوں کے لیے قلم اٹھاتا ہے تو سب سے پہلے ان کے مزاج کے مطابق عنوان تحریر کرتا ہے تا کہ جب بچہ کہانی اٹھائے تو اس کے نام ہی سے دلچسپی کا آغاز ہوجائے۔یہی صورتحال الطاف فاطمہ نے اپنی کہانیوں کے عنوانات تحریر کرتے ہوئے مدنظر رکھی ہے۔ان کی طبع زاد کہانیوں میں ''ہائے میرا کن کٹا''،''مائی لارڈ حقہ'' اور''ایک تھا لڑکا''شامل ہیں ۔

سنین کے لحاظ سے شائع ہونے والی کہانیوں میں سب سے پہلی کہانی''ایک تھا لڑکا'' ہے یہ کہانی اگرچہ ۱۵پندرہ برس کے نو نہالوں کے لیے لکھی گئی ہے مگر اس کا عنوان اپنے اندر دلچسپی اور تجسس کا عنصر بدرجہ اتم لیے ہوئے ہے تا کہ بچہ کتاب کا عنوان پڑھتے ہی اس کے بارے میں سوچنا شروع کر دے۔اسی طرح''مائی لارڈحقہ'' اور''ہائے میرا

کن کٹا‘‘ کے عنوانات بھی دلچسپ ہیں۔جو چھوٹے بچوں کی دلچسپی کو مدنظر رکھ کر اپنائے گئے ہیں۔

بچوں کی کہانیاں لکھتے ہوئے الطاف فاطمہ کے مد نظر بھی کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق ضرور رہا ہے، مگر انہوں نے کہانی کو صرف اخلاقی پرچار کا ذریعہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس میں بچوں کی دلچسپی کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

کہانی لکھتے ہوئے الطاف فاطمہ نے بچوں کی عمر کو ضرور مد نظر رکھا ہے۔ اس لیے جب وہ ’’ایک تھا لڑکا‘‘ تحریر کرتی ہیں تو ۱۴،۱۵ سال کے نونہالوں کی ذہنی استعداد ، ان کے مشاغل کو سامنے رکھتے ہوئے کہانی کے موضوع کا انتخاب کرتی ہیں۔ ’’ایک تھا لڑکا‘‘ میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ اخلاقی سبق کو بھی مد نظر رکھا اور اس میں حقیقی زندگی پیش کی ہے۔ جبکہ الطاف فاطمہ نے باقی دو کہانیاں چونکہ ننھے بچوں کے لیے لکھی ہیں اس لیے ان کے موضوعات بھی اسی مناسبت ہیں۔ ’’ہائے میرا کن کٹا‘‘ ایک مکمل تخیلی کہانی ہے۔

عنوان اور موضوع کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔یہ اس کا موضوع ہی ہے جس پر مصنف اپنی کتاب کا خاکہ بناتا ہے ۔لیکن کتاب کا موضوع چاہے پریوں کی کہانی،جانوروں کے متعلق یا کسی ہیرو کی سوانح حیات ہو۔ان سب میں اچھی تحریر کی خوبیاں ضرور ہونی چاہیں تب ہی وہ بچوں کا ادب کہلانے کی مستحق ہوں گی۔موضوع کے اعتبار سے بچوں کے ادب کو اچھا یا بر ا نہیں کہا جا سکتا۔ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہیرو کی کہانی ایک پری کی کہانی کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔اکثر بڑوں کا یہ خیال ہے کہ معلومات کی کتابیں بچوں کے لیے زیاہ مفید ہوتی ہیں کیوں کہ ان کو پڑھ کر بچے بہت سی ایسی معلومات حاصل کرتے ہیں جو ان کی آنے والی پر پیچ اور دشوار زندگی میں ہر ہر قدم پر کام آسکتی ہیں۔مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ تخیلی کتابوں سے بھی ذہن کی نشوونما ہو تی ہے۔اس سے ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ذہنی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے سے بڑی چیز سے دوچار ہوتا کہ اس کے ذہن میں وسعت پیدا ہو اور تخیل کی طرف مائل ہو۔وہ کتابیں جن کا موضوع تخیلی ہے اچھے ادب سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔

معمولی قسم کے ادیب بچوں کی کہانی کے لیے اصلاحی موضوع چننے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے نزدیک بچوں کی اصلاح کرنا ان کا فرض ہے اور کسی حد تک یہ درست بھی ہے مگر بہت سے ادیب اپنی کہانیوں میں اپنے خیالات کا پرچار کرنے کی کوشش بچے کی دلچسپیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

بچوں کو کہانی میں سب سے زیادہ دلچسپی واقعات سے ہوتی ہے۔اگر کہانی کا "پلاٹ " اچھا نہیں ہے۔کہانی چاہے کتنے ہی دلچسپ پیرائے میں لکھی گئی ہو بچے کی دلچسپی زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ بچے اچھی اور بری کہانی کے فرق کو فوراًمحسوس کر لیتے ہیں۔اس ضمن میں عشرت رحمانی ’’ایک تھا لڑکا‘‘کے بارے میں بتاتی ہیں:

> "’’ایک تھا بادشاہ‘‘نانی اماں جب بچوں کو گود میں لے کر لیٹتی تھی تو اسی طرح کہانی شروع کیا کرتیں۔مگر اب زمانہ بدل رہا ہے ۔بادشاہوں کے قصے پرانے ہو چکے ہیں۔ہمارا آج کا زمانہ آزادی کا زمانہ ہے ۔آج ہمارے نو نہالوں کو یہ سننا اور سوچنا ہے کہ ہم بڑے ہو کر اپنے عزم و ہمت اور سمجھ بوجھ سے دنیا کو اور اپنے ملک و قوم اور خاندان کو کسی طرح خوش حال بنا سکتے ہیں۔یہ زمانہ انسان کی ذاتی قابلیت اور پختہ ارادوں کی حکومت کا ہے۔آج جو بچہ ایک غریب آدمی کے گھر پیدا ہو کر پلا بڑھا ہے۔اگر وہ ہمت اور جرات سے کام لے کر اپنے اندر ایسی لیاقت پیدا کر لیتا ہے کہ قوم کے لوگ اس کی بڑائی اور اچھے کاموں سے فائدہ اٹھائیں تو یقیناًوہ اپنے ملک کا وزیر اور حاکم بن کر اپنے ملک اور قوم کی بھلائی کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔"(٦)

’’ایک تھا لڑکا‘‘اسی قسم کی کہانی ہے جس میں اس زمانے کے حقیقی نو نہال بطور کردار پیش کیے گئے ہیں اور کہانی ایسے ہی کرداروں کے گرد بُنی گئی ہے۔ناول کا پلاٹ گتھاہواہے۔’’ایک تھا لڑکا‘‘ میں ٢١ باب ہیں۔متعدد کہانیوں کے باوجود یہ کہانیاں الگ الگ محسوس نہیں ہوتیں بلکہ مرکزی قصے کے ذریعے انہیں جوڑ دیا گیا ہے۔ہر کہانی اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔یوں متعدد چھوٹی چھوٹی کہانیاں مل کر ایک بڑی کہانی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

یہ کہانی ایک تعلیم یافتہ شریف خاندان کے نو نہالوں کی کہانی ہے۔وہ کھیل کود کی دلچسپیوں میں مصروف رہتے ہوئے بھی ہمیشہ مفید اور کار آمد باتیں سوچتے ہیں اور کھیل کھیل میں ایک دوسرے کو کہانی سناتے ہیں۔اسی خاندان کا ایک لڑکا اپنی غیر معمولی ذہانت اور دلیری کی بدولت سخت سے سخت مصیبت جھیل کر بھی پست ہمت نہیں ہوتا اور آخر حوصلہ کی بلندی سے زندگی کی اعلیٰ نعمتیں اور اپنے لیے مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

’’مائی لارڈ حقہ‘‘ الطاف فاطمہ کی تخیلاتی کہانی نہیں ہے۔بلکہ ایک حقیقی کردار پر مشتمل کہانی ہے۔یہ الطاف فاطمہ کے بچپن کی یاد ہے جب وہ اپنے نانا کے گھر رہا کرتی تھیں۔ایک دن ان لوگوں نے دیکھا کہ ایک ناٹے سے قد کے بڑے میاں ردی سے کپڑے پہنے اور پرانی سی ٹوپی سر پر ٹکائے ان کے گھر چلے آ رہے ہیں۔وہ بڑے میاں بشیر الدین صاحب تھے جو ان کے نانا کے دوست تھے۔ان کا نام گھر کے بچوں نے مائی لارڈ حقہ کیوں کر رکھا ملاحظہ کیجیے:

> "ہاں تو دو ہی دن میں ان کا نام مائی لارڈ حقہ پڑگیا۔اس لیے کہ وہ تو بیٹھے باتوں میں غرق رہتے اور جہاں ان کا حقہ ٹھنڈا ہوتا وہ منہ اونچا کرتے اور بڑی ہی راز داری میں نانا ابا سے فرمائش کرتے۔
>
> "مائی لارڈ حقہ"

یہ سن کر نانا ابا فوراً کسی نہ کسی کو آواز دے کر حقہ تازہ کرواتے۔"(۷)

اس کہانی میں الطاف فاطمہ بتاتی ہیں کہ میاں بشیر الدین اسلامیہ کالج اٹا وہ کے بانی تھے اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔وہ ہر وقت مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لیے سوچ بچار کرتے رہتے تھے۔اسی سلسلے کی ایک کڑی اسلامیہ کالج کا قیام بھی ہے۔جس کو قائم کرنے کے لیے انہوں نے بیگم کے زیور تک بیچ دیئے۔میاں بشیر الدین صاحب اپنے کالج میں ''کالج ابا'' کے نام سے مشہور تھے۔

الطاف فاطمہ کی یہ کہانی کرداری ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی سبق بھی رکھتی ہے۔ بچوں کے لیے اس میں سبق ہے۔کہ خود کے لیے۔کام کرنا اور پوری قوم کی فلاح کے لیے کام کرنے میں فرق ہے اور یہ کہ ذاتی ترقی پر قومی ترقی کو فوقیت دینی چاہیے۔

''ہائے میرا کن کٹا'' پانچ سے سات سالوں کے نو نہالوں کے لئے لکھی گئی کہانی ہے۔یہ کہانی ڈوئی اور چمچہ کی کہانی ہے جو ایک کچن میں اچھی طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں کہ ایک دن دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اور ڈوئی غصے میں آ کر گھر چھوڑ دیتی ہے راستے میں اسے تالاب پر بگلے مل جاتے ہیں۔وہ بگلے اسے کہتے ہیں کہ ان کے پاس رک جائے مگر بی ڈوئی غصے میں ہونے کے ساتھ ساتھ اکڑ بھی دکھاتی ہے اور ان کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی۔ آگے جاتی ہے تو اسے ایک بڑے گھنے درخت پر بہت سے کوے مل جاتے ہیں ۔وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ بی ڈوئی کہاں جارہی ہو۔وہ انہیں بھی اپنی روداد سناتی ہے کہ چمچے سے لڑائی ہو گئی ہے اور گھر چھوڑ آئی ہوں۔اس پر کوے اسے اپنے ساتھ رہنے کے لیے کہتے ہیں جس پر وہ ڈوئی راضی نہیں ہوتی اور اکڑ دکھاتے ہوئے آگے بڑھ جاتی ہے۔

آگے جا کر بازار میں حاکم شہر سے اس کا سامنا ہو جاتا ہے۔وہ بھی اس سے پوچھتا ہے کہاں جاری ہو۔جس پر بی ڈوئی اسے بھی اپنی روداد سناتی ہے۔حاکم اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہتا ہے مگر ڈوئی قید کی زندگی پسند نہیں کرتی اور انکار کر دیتی ہے۔ اس کے بعد اس کی ملاقات ایک کُتے سے ہو جاتی ہے۔جسے سب اس کے کان کٹے ہونے کی وجہ سے کن کٹا کہتے ہیں۔ڈوئی اس کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے اور وہ دونوں مل کر کاٹھ کباڑ کے ڈھیر پر رہنا شروع کر دیتے ہیں۔دونوں اپنی زندگی میں خوش ہوتے ہیں۔کہ اچانک کن کٹے کو کتے پکڑنے والی گاڑی اٹھا کر لے جاتی ہے اور یوں ڈوئی اکیلی رہ جاتی ہے ۔وہ کاٹھ کباڑ پر بیٹھی اکیلی رو رہی ہوتی ہے کہ اتنے میں چمچہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکلتا ہے۔دونوں کے درمیان ناراضی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں خوشی خوشی کاٹھ کباڑ پر رہنے لگتے ہیں۔ چونکہ یہ کہانی پانچ سے سات برس بچوں کےلیے لکھی گئی ہے اسی مناسبت سے کہانی کا پلاٹ سادہ اوردلچسپ ہے جس سے کہانی پن کا عنصر قائم رہتا ہے۔

اس کہانی کو پڑھ کر یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بچوں کے ادب کی زبان آسان اور عام فہم ہونی چاہیے۔ثقیل الفاظ ،طویل جملے اور مبہم باتیں بچوں کی سمجھ نہیں آتیں۔اور وہ بہت

جلد دلچسپی کھو دیتے ہیں۔بچوں کی کہانی لکھتے ہوئے خاص کر ذہن میں رکھنا چاہیے کہ زبان و بیان بچوں کےبولنے چالنے کے قریب ترین ہوکے عمر کے لحاظ سے الفاظ کا چناؤ کیا جائے۔طرز ادا ایسا ہو کہ بچہ خوشی خوشی پڑھتا چلا جائے۔

ناول ''ایک تھا لڑکا''پندرہ سولہ سال کے نو نہالوں کے لیے لکھا گیا ایک ناول ہے۔اس لیے اس میں زبان و بیان اور اسلوب بھی اسی عمر کے مطابق استعمال کیا گیا ہے۔بچوں کو بہلانے کے لیے مختلف آوازوں یا جانور پرند وں سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ان نو نہالوں کے ہی ہم عمر کردار پیش کیے گئے ہیں۔جب یہ کردار آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو واقعتاًیہی احساس ہوتا ہے کہ دس سے پندرہ سال کے بچے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں اس سے زیادہ بڑی عمر کے لوگ نہیں بول رہے۔

اسی طرح جب ہم ان کے چھوٹے بچوں کے لیے لکھی گئی کہانیوں کا جائزہ لیں تو'' مائی لارڈ حقہ'' دس گیارہ برس کے بچوں کے لیے لکھی گئی کہانی ہے۔اس کی ابتداء الطاف فاطمہ ان الفاظ کے ساتھ کر تی ہیں۔

> "یہ کہانی وہانی تو کیا ہے۔بچپن کی ایک دھندلی سی ،یاد ہے جو ہے تو دھندلی سی پر دل کے کسی نہ کسی گوشے میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔"(۸)

میاں بشرالدین نے اپنا تن،من سب مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لیے وقف کر دیا تھااور اسی کو بنیاد بنا کرالطاف فاطمہ کہانی کے بیچوں بیچ بچوں میں حب الوطنی اور کار آمد سرگرمیوں کا جذبہ بھی پیدا کرتی چلی گئی ہیں۔ مثلا:

> "کوئی کالج یا اسکول اگر انسان اس لیے کھولے کہ اس کے ذریعے وہ عزت اور دولت کمائے گا تو یہ کوئی خاص بات نہیں لیکن جب انسان کا مقصد دولت کمانے کے بجائے قوم کے بچوں کی تعلیم اور ترقی ہو تو یہ کام بڑ امشکل ہوتا ہے۔"(۹)

الطاف فاطمہ کہانی میں ہی بچوں سے مخاطب بھی ہوتی رہتی ہیں ان کے کہانی لکھنے کا انداز بیانیہ ہے۔جیسے کہانی کہنے والا ان کو کہانی سنا رہا ہو۔کہانی سناتے وہ بچوں میں اچھے کام کرنے کا جذبہ بھی جگاتی رہتی ہیں۔

> "تو بھئی یہ تھی وہ عجیب اور انوکھی ہستی جس نے اپنی بیوی کے زیور بیچ کر ایک اسکول کی بنیاد رکھی اور پھر ان تھک کوششوں سے ایک بڑا سا کالج بھی بنا ڈالا۔ممکن ہے تم کہو کہ اتنے بہت سے معنوں میں ایک چھوٹے سے بڈھے کی داستان نہ لکھی ہوتی تو ایک کہانی اور پڑھنے میں آتی ۔لیکن بھائی مجبوری یہ آپڑی کہ مجھے مدت سے بے چینی تھی جیسے میرے پاس تمہارے لیے کسی کی بڑی قیمتی امانت ہو اور جس کا بوجھ اٹھاتے میں تھک گئی ہوں۔تو

بھئی میں نے تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دی۔اب تم جانو اور تمہارا کام۔"(۱۰)

''ہائے میرا کن کٹا'' پانچ سے سات برس کے بچوں کے لیے لکھی گئی کہانی ہے۔اور ان ہی کی عمر کے مطابق اس میں الفاظ و بیان ہے۔اس کہانی میں الفاظ کا صوتی آہنگ خاص کر مدنظر رکھا گیا ہے۔کہانی کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے:

"نانی اماں نے سنائی یہ کہانی

کہانی ان کو یاد تھی زبانی"(۱۱)

کہانی آگے بڑھتی ہے تو ڈوئی اور چمچے کے ناراضگی ہو جاتی ہے اور ڈوئی کچن سے چلی جاتی ہے۔

"ڈوئی نے نہ ادھر دیکھا نہ اُدھر: بس نکل پڑیں۔رُوٹھی ،پھولی ،منہ اُٹھائے لپ جھپ،لپ جھپ چلی جارہی تھیں۔"(۱۲)

آگے جا کر تالاب پر انہیں بگلوں کا ایک غول ملتا ہے ۔ وہ ڈوئی کو اپنے ساتھ رہنے کا کہتے ہیں۔مگر وہ ان کے ساتھ رہنا گوارا نہیں کرتی۔ اس کے بعد نیم کے درخت پر کوئے مل جاتے ہیں۔

"بی ڈوئی چلی آرہی ہیں بے اوسان،پریشان

اے بی ڈوئی کہاں چلیں؟کووں نے پوچھا

اے جاتی کہاں مجھے چمچے نے مارا،میں روٹھ چلی

کوئے بولے اب کہاں ماری ماری پھرو گی ۔تم ہمارے پاس رہ جاؤ"بی ڈوئی ایک دم اکڑ گئیں اور پوچھا!

"کیا کھلاؤ گے،کیا پلاؤگے،کیا اوڑھاؤ گے،کہاں سُلاؤ گے؟"(۱۳)

درج بالا مثال میں دیکھیے اوسان ،پریشان ،کھلاؤگے،پلاؤ گے،اوڑھاؤ گے،سُلاؤ گے ان الفاظ میں آہنگ اور ردھم ہے ۔ چھوٹے بچوں کے لیے کہانی میں الفاظ کا صوتی تاثر کس طرح قائم رکھا گیا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے:

"ارے میں نے تو تال بھرے بگلے چھوڑے

نیم بھرے کوئے چھوڑے

نیم کی نمکولیاں چھوڑیں

ہائے میرا کن کٹا

میں نے شہر کا حاکم چھوڑا

مخمل کے گدے چھوڑے

ہائے میرا کن کٹا" (۱۴)

بچوں کے ادب کے لیے دوباتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے، ایک بچوں کی نفسیات سے گہری واقفیت اور دوسری سادہ ترین زبان۔ دونوں کےخوشگوار امتزاج سے ہی بچوں کے لیے دلچسپ اور کامیاب ادب پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے الطاف فاطمہ نے جتنا ادب بھی بچوں کے لیے لکھا ہے، ان اصولوں پر کھرا اُترتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اطہر پرویز، ادب کسے کہتے ہیں ، نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء، ص۳۱

۲۔ اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر، سید، بچوں کا ادب اور اخلاق ، دہلی: ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء ، ص۲۳

۳۔ عشرت رحمانی (تعارف)، مشمولہ ،ایک تھا لڑکا، الطاف فاطمہ، لاہور: کتاب منزل، بار اوّل،۱۹۵۵ء ،ص۶

۴۔ الطاف فاطمہ ، مائی لارڈ حقہ، فلیپ، لاہور:شیخ غلام علی سنز،س۔ن

۵۔ الطاف فاطمہ ، ہائے میرا کن کٹا ، فلیپ ، ملتان: آکسفورڈ پریس،۲۰۱۸ء

۶۔ عشرت رحمانی (تعارف)، ایک تھا لڑکا، ص۵

۷۔ ایضاً، ص۲۰

۸۔ ایضاً، ص۲۰

۹۔ ایضاً، ۲۴۔۲۵

۱۰۔ ایضاً، ص۳۳

۱۱۔ الطاف فاطمہ، ہائے میرا کن کٹا، ص۱

۱۲۔ ایضاً، ص۲

۱۳۔ ایضاً، ص۶

۱۴۔ ایضاً، ص۱۴